ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-37

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

قمر عبّاس علوی
شعبہ اردو یونیورسٹی آف جھنگ۔
احتشام الحق
شعبہ اردو یونیورسٹی آف صوابی
ڈاکٹر محمد رحمان
شعبہ اردو ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

عاطف توقیر کی شاعری میں مزاحمت

Qamar Abbas Alvi
Department of Urdu University of Jhang.
Ihtisham ul Haq
Department of Urdu, Univesity of Swabi.
Dr.Muhammad Rahman
Department of Urdu Hazara University Mansehra.

Resistance in Poetry of Atif Tauqeer

ABSTRACT:
Atif Tauqeer is a Pakistani poet of 21st century, he was born in Jehlum (Punjab, Pakistan) after completing his education he selected Journalism as profession and moved to Europe. Radd is his first collection of poetry that was published in 2022. Love, Resistance, class conflict, violence and forceful disappearance are the major topics of his poetry.

KEY WORDS: *Post Nine Eleven world, Resistance, Modern Poem, Paradox, Logo phobia, Class Conflict, Terrorism, Violence.*

عاطف ترقیر کا تعلق اردو شعرا کی اس صف سے ہے جنھوں نے لکھنا تو بیسویں صدی کے آخری عشرے میں شروع کر دیا تاہم ان کی شناخت اکیسویں صدی میں مرتب ہوئی، جسے بجا طور پر پوسٹ نائن الیون عہد کہنا چاہیے۔ 9/11 کے واقعے کے غربت، افلاس، طوائف الملوکی، آزادی اظہار سے محرومی، دہشت گردی، جبری گمشدگی اور وسیع پیمانے پر جلاوطنی کی صورت میں منفی اثرات تیسری دنیا اور خاص کر پاکستان پر مرتب ہوئے۔ جہاں ہزاروں تارکین وطن خاندان افغانستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے وہیں اسلحہ اور دہشت گردی اور شدت

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-37

ماخذ تحقیقی مجلہ

پسندی کی لہر بھی ساتھ چلی آئی جس سے اس خطے کے باسی آج تک نمٹ رہے ہیں اور پاکستان ستر ہزار سے زیادہ پاکستانی جانیں جنگ کی بھٹی کا ایندھن بن چکی ہیں۔ گو اس صورت حال کا آغاز سرد جنگ کے زمانے اور سویت یونین کے سقوط (۱۹۸۹) کے ساتھ ہوا تاہم مابعد نائن الیون امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف جنگ (War Against Terror) کے ساتھ اس میں شدت آتی چلی گئی۔ یہ وہ پس منظر تھا جس میں عاطف توقیر کی نسل کے شعرا نے لکھنا شروع کیا۔

عاطف توقیر ۲۳_جولائی ۱۹۷۹، کو جہلم (پنجاب) میں پیدا ہوئے اور کراچی یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد صحافت سے وابستہ ہوئے اور پاکستان سے باہر چلے گئے (آج کل جرمنی میں مقیم ہیں)۔ یوں عاطف کا پہلا حوالہ تیز مگر تیکھے لہجے میں بلا جھجک و بے تکان بولنے والے بلاگر کا ہے جس نے معاصر صورت حال کو ایک ذمہ دار صحافی کی نظر سے دیکھا، ہم وطنوں کے کرب کو محسوس کیا، بے لاگ تجزیے اور دوٹوک موقف کا برملا اظہار کیا، یہ وصف ان کی صحافتی تحریروں ہی سے متعلق نہیں ان کی شاعری کا بھی خاصا ہے۔ رد ان کی شاعری کا پہلا مجموعہ ہے جو ۲۰۲۲ میں شائع ہوا جس میں غزلیات اور منظومات دونوں کا انتخاب ہے، عاطف کی غزل اور نظم دونوں جداگانہ پہچان کی حامل ہیں تاہم ان کا جوہر نظم میں زیادہ سہولت سے کھلتا ہے۔ غزل جہاں اپنے مضامین اور ڈکشن ہر دو حوالوں سے اجتماعیت سے علاقہ رکھتی ہے وہیں نظم (اور بالخصوص جدید نظم) فرد کی آزادی اور انفرادی سوچ کی قائل ہونے کے سبب عاطف توقیر ایسے رد کے قائل انسان کی طبیعت سے زیادہ موزوں اور موافق ہے۔ مزاحمت کا سرچشمہ خود جدید نظم کی شعریات میں مضمر ہے، یعنی ہر اس بات، نظریے، قدر، روایت، مرکز کے خلاف بغاوت جو خود کو فرد کے تجربے کے مقابل، مستند و معتبر بنا کر پیش کرے،[1] عاطف کی نظمیں مزاحمت کی عمدہ مثال ہیں اور شاعری کی اس روایت سے جا ملتی ہیں جس کی آبیاری فیض احمد فیض، احمد فراز اور حبیب جالب ایسے شعرا نے کی۔

محبت، حب الوطنی، آزادی اظہار پر پابندی، تشدد اور جبری گمشدگی عاطف کی نظم کے نمایاں مضامین ہیں یہ نظمیں کسی مشاعرے میں سننے سنانے کے لیے نہیں بلکہ اس کرب کا اظہار ہیں جن سے شاعر یا اس کے ہم وطن گزر رہے ہیں اور جس کے خلاف عاطف کی نظم مزاحمت کرتی ہے۔ عاطف کی نظم میں مزاحمت کے چار زمرے ہیں: پہلا زمرہ سماج اور سماجی رویوں اور کمزوریوں کے خلاف مزاحمت کا ہے اور ان نظموں کو محیط ہے جو کسی سانحے، واقعے، تجربے یا واردات کے وقوع ہونے پر فرد کے باطن میں پیدا ہونے والی ہلچل کا نتیجہ ہیں۔ یہ نظمیں بسا اوقات تو فوری رد عمل کی صورت اختیار کرتے ہوئے بلند لے اختیار کرتی ہیں تو کہیں ایک کرب میں ڈھل جاتی ہیں، ہر دو

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-37

ماخذ تحقیقی مجلہ

صورتوں میں فرد کے باطن میں ہونے والی کشمکش کی عکاس ہیں۔ اس نوع کی نظمیں جہاں رد عمل کی نفسیات کی عکاسی کرتی ہیں وہیں کرداروں کے معاشی استحصال اور تخلیق کار کے احساس، سماجی شعور اور کرب کو بھی نمایاں کرتی ہیں۔ رانی، ہیجڑا، ریپ اور مشکیزہ ایسی نظموں کو اس نقطہ نظر سے پڑھا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ رانی ایک سانولی سلونی کمسن لڑکی ہے جو چھوٹی عمر میں اپنا بچہ سنبھالے اپنے قد سے بڑی چادر اوڑھے سرِ راہ بھیک مانگنے کے بجائے گاڑیوں میں سوئف سپاری بیچنے آتی ہے مگر نشستوں پر بیٹھے مسافر اس پر ٹھرک جھاڑتے اور حیلے بہانے سے اسے چھونے کی کوشش کرتے ہیں۔ رانی جیسی لڑکیوں کے لیے یہ حرکت ناگوار مگر روز کا معمول بن چکی ہے سو وہ بھوکی نظروں کا سامنا کرتے یا چُھو لیے جانے پر اپنا لباس درست کرتے اس معاشی مجبوری کی وجہ سے چپ سادھ لیتی ہیں جو انھیں لوگوں کے سامنے لا کھڑا کرتی ہے۔ رانی کا کرب یہیں تک نہیں بلکہ اسے آتی جاتی گاڑیوں میں مسافروں کی شہوت انگیز نظروں کا سامنا کرنے، بالی عمریا میں آجانے والے بچے اور سماجی بندھنوں کا بوجھ بھی سہنے کے علاوہ دن بھر کی تھکن سمیٹے شام کو گھر لوٹنے پر بچے کے باپ کو بھی رات بھر اپنے بدن سے بہلانا ہے۔ دوسرے لفظوں میں رانی سہہ جہتی استحصال (معاشی، سماجی اور خانگی) کا سامنا کرتے اس طبقے کا نمائندہ کردار ہے جسے سماج حاشیے پر دھکیل چکا ہے تاہم سماج اس قدر جبر، قدغنوں اور جنسی گھٹن کا شکار ہے کہ عام آدمی اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے اسی حاشیہ زدہ طبقے کی طرف دیکھتا ہے۔ عجیب منافقت ہے کہ رانی ایسے افراد کو برابر کا شہری سمجھنا تو اس سماج میں ممکن نہیں البتہ اس طبقے کا جنسی استحصال بڑے بڑے عزت دار اپنا حق سمجھ کر کرتے ہیں۔ رانی ایسے کردار دوہری جنگ لڑ رہے ہیں ایک طرف تو سماج کی نفرت اور اپنی حاشیائی حیثیت کا دکھ اور دوسری طرف بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں جس کے لیے انھیں کسی حد سے گرنا پڑتا ہے۔

نظم مشکیزے کے مرکزی کردار کی نوعیت بھی اس سے مختلف نہیں یہ مزدور کی بپتا ہے جو تپتی دھوپ میں ٹریفک سگنل پر رکنے والی گاڑیوں کے مسافروں کو پانی فروخت کرتا ہے جس کا دل دوہی دعائیں: جلتی دھوپ اور سرخ بتی، مانگتا ہے۔ نظم ایک پیراڈکس پر مبنی ہے کہ کس طرح بدن پگھلاتی دھوپ میں ٹریفک سگنل پر کھڑا ایک انسان مزید گرمی کی دعا مانگنے پر مجبور ہے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ پانی فروخت کرے اور شام ڈھلے گھر پلٹ کر اپنا چولہا جلا سکے۔ اس نوع کے کردار ہر چوک چوراہے پر مل جاتے ہی جن کی ساری عمر چھوٹی چھوٹی امیدوں کے سہارے گزر جاتی ہے بقول مجید امجد: گھاس کٹتی ہے کہ دن اِن کے کٹے جاتے ہیں[۲]۔ گاڑیاں حسب معمول اشارے پر رکتی ہیں، مشکیزے والا پسینہ بہا کر چند سکے جمع کرتا ہے اور ایک دن خاک میں مل کر خاک ہو جاتا ہے۔ سماج کے یہ پسماندہ کردا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-37

ماخذ تحقیقی مجلہ

رعاطف کی نظم کا موضوع بننے پر ہمدردی سمیٹنے سے زیادہ سماج کے دوغلہ پن پر طنز بن کر ابھرتے ہیں اور سماج کا ایک ایسا رخ پیش کرتے ہیں جو ایک فن کار ہی دکھا سکتا ہے، نظم **شور** کے چند مصرعے ملاحظہ ہوں:

یہ سناٹا اس وحشیہ کی
نگاہوں سے بھی مختلف ہے / کہ جو جسم کی ہر مقدس جگہ بیچ کر
اپنے بستر سے گاہک کے گندے پسینے کی بدبو مٹانے سے پہلے
کراہت کی سلوٹ ہٹانے سے پہلے
خود اپنا بدن تک ٹھکانے لگانے سے پہلے / چھپانے سے پہلے
بہت خامشی سے روپے گن رہی ہے (۳)

ان مصرعوں سے بننے والا امیج سماج کے لیے کوئی نیا یا اجنبی نہیں البتہ بھیانک اور کرب ناک ضرور ہے یہ معاشی مجبوری ہی جو ایک عورت کو اپنے جسم کی قیمت پر زندگی کی چند سانسیں مہیا کرتی ہے، تصور کریں اس انسان کے لیے زندگی کیسی ہو گی جس کے لیے انا، عزت نفس، اخلاقیات، خوبصورتی اور پسند و ناپسند سے اہم وہ چند سکے ہیں جو زندگی کا پہیہ رواں رکھنے کو ضروری ہیں۔

عاطف توقیر کی نظم میں مزاحمت کا دوسرا زمرہ مذہبی شدت پسندی، معنی پر اجارہ داری، ظاہر و باطن میں تضاد اور رجعت پسندانہ سوچ کے خلاف مزاحمت کو محیط ہے اس ضمن میں گستاخ، آوشوٹس، خدا اور منافق ایسی نظمیں بہ طور خاص ہیں۔ عاطف جہاں عدم برداشت اور دقیانوسی رویوں کا نشانہ بناتے ہیں وہیں لفظوں کے ساتھ وابستہ مفہوم کے خلاف بھی مزاحمت کرتے ہیں مثلاً گستاخ ایک ایسی اصطلاح ہے جو پچھلی چند دہائیوں میں غدار (اکیسویں صدی میں یہ دونوں اصطلاحیں کثرت سے برتی گئی ہیں) سے بھی زیادہ دہشت ناک ہو گئی ہے۔ اکیسویں صدی یعنی پوسٹ نائن الیون دنیا میں مذہبی شدت پسندی اس قدر بڑھی ہے کہ سماج لوگوفوبیا کا شکار ہے جہاں وہ نئے (خاص کر مغربی) تصورات سے خوف زدہ ہیں وہیں بعض اصطلاحات اس قدر اہم ہو گئی ہیں کہ وہ جان دینے اور جان لینے تک میں قباحت محسوس نہیں کرتے۔ ایسی ہی اصطلاحات میں سے ایک گستاخ ہے جس کے لیے سماج میں کم سے کم یا نہ ہونے کے برابر برداشت ہے مگر عاطف توقیر اپنی نظم کا یہ مصرع جبینِ گستاخ پر لکھا ہے میں معتبر ہوں کہہ کر گستاخ کا مفہوم ہی بدل دیتے ہیں وہ رائج تصورات سے گستاخی کو سماج کے ارتقاء کے لیے سب سے اہم عنصر قرار دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ لفظ اور معنی کا رشتہ منطقی ہونے کے بجائے خالص ثقافتی اور من مانا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-37

ماخذ تحقیقی مجلہ

ہے جو استعمال اور رواج سے معنی کا ابلاغ کرتا ہے تاہم جب ایک لفظ (اصطلاحاً) ایک جیسے معنی کے لیے بار بار استعمال ہوتا ہے تو وہ کلیشے (Cliche) بن جاتا ہے جو دوسرے لفظوں میں معنی کے گرد جم جانے والا گرد و غبار ہے جو اس کی تہہ میں جھانکنے میں مزاحم ہے عاطف اس کلیشے کو توڑتے ہیں۔ عاطف کے نزدیک گستاخ سماج کو کوئی مکروہ چہرہ نہیں جسے چھپایا جائے بلکہ یہ فطرت سے قریب تر روپ ہے، گستاخی تجسس، سوال اٹھانے یا خواب دیکھنے اور نئے لفظ کی تخلیق سے زیادہ کچھ نہیں اور یہ تینوں خصلتیں انسان کو موجود سے آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتی ہیں اور جامد یا زوال پذیر معاشرے چوں کہ تبدیلی کو گوارا نہیں کرتے اس لیے ان میں گستاخی گالی کا مترادف قرار پاتی ہے۔ جب کہ ترقی یافتہ معاشروں میں گستاخ اور باغیوں کا دانشور کے طور پر دیکھا جاتا ہے، عجیب نہیں کہ گستاخ کی اصطلاح صرف رجعت پسند اور مذہبی معاشروں میں ہی راواج پاتی ہے اور سیکولر معاشروں میں بالکل بے معنی ہو جاتی ہے۔ انسانی ارتقاء اس بات کا گواہ ہے کہ اپنے عہد سے بغاوت اور گستاخی کرنے اور رہ عام سے ہٹ کر سوچنے والوں نے ہر معاشرے کو بدلنے اور ترقی سے بہرور کرنے میں اپنا کردار ادا کیا اگر وہاں بھی نئی سوچ گستاخی کے زمرے میں آتی تو آج ارتقاء کی کہانی کافی مختلف ہوتی:

میں سوچتا ہوں / اگر یہی شہر تب بھی ہوتا
یہی عقائد / وہاں بھی ہوتے / تو آج تاریخ گونگی ہوتی
سو پہلا تصویر ساز انساں / وہ ایک مصور / وہ ایک گستاخ
ہر ایک خدا سے / ہر اک عقیدے / ہر ایک مذہب / سے معتبر تھا
جبینِ گستاخ پر لکھا ہے / میں معتبر ہوں (۴)

دوسری نظم خدا ہے جس میں سماج میں مذہبی طبقے کا دوغلا پن دکھایا گیا ہے محلے کا ایک نیک دل دودھ بیچنے والا دودھ میں پانی ملانے سے پہلے ادھر ادھر دیکھتا ہے اور اس یقین کے ساتھ پانی ملا دیتا ہے کہ خدا شاید دیکھ نہیں رہا یا سرے سے اسے گناہ ہی نہیں سمجھتا۔ مسجد کی طرف جاتے ہوئے مولانا آنکھ بچا کر کسی ادھ کھلی کھڑکی سے صندلیں دوشزہ کے سراپے کا جائزہ لینے سے نہیں چوکتا اور مسجد میں فحاشی پر لمبی چوڑی تقریر بھی جھاڑتا ہے جیسے خدا پر صرف اسی کا اجارہ ہے۔ سماج کے یہ سارے کردار راسخ العقیدہ ہیں اور خدا کے حاضر و ناظر ہونے پر یقین رکھتے ہیں مگر اپنی بداعمالیوں پر خود کو خدا کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھتے، یہ راسخ العقیدگی کا حال ہے اگر خدا کے وجود سے انکاری

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-37

ماخذ تحقیقی مجلہ

ہوتے تو معلوم نہیں کیا کیا کرتے۔ نظم آؤشوٹس کا موضوع مذہبی عدم رواداری ہے جس میں ایک یہودی لڑکی سارہ گٹن برگ کو محض یہودی شناخت پر نفرت اور استحصال کا شکار دکھایا گیا ہے۔

مرا نام سارہ ہے / سارہ گٹن برگ / مرا جرم اتنا سا ہے
کہ مجھے اک یہودی گھرانے میں پھونکا گیا تھا
مرے باپ دادا یہودی تھے / وہ بھی اسی جرم میں ڈاخاؤ جا چکے ہیں
میں کیسے اتاروں بدن سے عقیدہ / عقیدہ جو میں نے چنا بھی نہیں ہے
مجھے نوچنے والے مردار خوروں نے میرا بدن مجھ کو لوٹا دیا ہے
مگر پیراہن میرے تن پر نہیں ہے(۵)

یہودیوں کے لیے یہ صورت حال آج کی بات نہیں پچھلے تین ہزار سال سے وہ بے گھری، نفرت اور تعصب کا نشانہ بنتے آئے ہیں تاہم کوئی بھی مذہب، عقیدہ یا شناخت ہو انھیں باقی انسانوں کی طرح جینے کی مکمل آزادی ہونی چاہیے۔ افسوس کا مقام ہے کسی انسان سے نفرت اس شناخت: رنگ، نسل، مذہب اور بہت حد تک جائے پیدائش، کی بنیاد پر کی جاتی ہے جس کا انتخاب اس فرد نے اپنی آزادی اور اختیار سے نہیں کیا ہوتا بلکہ اس کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کی ذات سے وابستہ ہو جاتی ہیں اور فرد ساری زندگی شناخت کی سیاست کا نشانہ بنتا رہتا ہے۔ پاکستان میں بلوچ، ہزارہ، احمدی، ہندو اور سکھ کمیونٹیوں کی حالت اس سے مختلف نہیں۔

عاطف کی نظم کا تیسرا پہلو سیاسی مزاحمت ہے، حب الوطنی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ وطن کے ذرے ذرے سے پیار کریں اور جب ہم وطن کسی آفت یا مصیبت کا شکار ہوں تو ان کے درد کو اپنا سمجھیں۔ عاطف توقیر نے اپنے وطن کے عصری مسائل کو نظم کا موضوع بنایا ہے۔ بلوچستان میں بلوچوں کی گمشدگی ہو، ہزارہ قبیلے کی نسل کشی ہو یا فاٹا، بلوچستان اور دیگر سرحدی علاقوں میں پختونوں اور بلوچوں کا قتل عاطف توقیر ہر ایک کے لیے آواز اٹھاتے اور مقتدر طبقوں اور ریاست کی غلط پالیسیوں پر تنقید کرتے ہیں، مشورہ، شکریہ، غدار اور واپسی اسی نوعیت کی نظمیں ہیں ۔ نظم شکریہ بارہ اکتوبر انیس سو ننانوے کے مشرف مارشل لاء کے رد عمل میں لکھی جس میں مسلح افواج کی سیاست میں مداخلت، سیاسی و معاشی عدم استحکام اور گذشتہ دہائیوں کے غلط فیصلوں اور ان کے حال پر مرتب ہونے والے اثرات اور تقسیم کرو اور حکومت کرو کی پالیسی پر تنقید کی گئی ہے۔ نظم واضح طور پر جھنجوڑتی اور رد عمل کا ابھارتی ہے جس کے سبب نظم کا لہجہ تقریر اور نعرے کے قریب آگیا ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ حقیقی واقعات کی عکاسی کرنے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-37

ماخذ تحقیقی مجلہ

والے ادب اور آرٹ سے اگر لوگ فوراًاور زیادہ دل چسپی ظاہر کرتے ہیں تو اس کا سبب یہ نہیں کہ وہ بڑا ادب یا عظیم آرٹ ہوتا ہے بلکہ اس لیے یہ ادب و آرٹ لوگوں کے احساسِ زیاں کی تلافی کرتا ہے۔[۶] بہ الفاظ دگر وہ سامنے کی ٹھوس حقیقت کی عکاسی کرتا ہے جس کے سبب اس کی تفہیم آسان رہتی ہے۔

نظم غدار ایک خوب صورت نظم ہے جو جبر اور استحصال سے پیدا ہونے والے غصے اور اس کے نتیجے میں انسانی فطرت پر پڑنے والے اثرات کو موضوع بناتی ہے۔ نظم چند سوالات اٹھاتی اور ان سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی سعی کرتی ہے کہ آخر غدار کون ہے؟ یا غدار کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ نیز یہ صرف ان معاشروں میں ہی کیوں جنم لیتے ہیں جہاں ریاستی جبر، عدم برداشت، ناانصافی، غیر قانونیت اور بھوک افلاس ہو؟ اس کے برعکس خوشحال معاشرے غداروں کو جنم کیوں نہیں دیتے؟ شاعر غدار کا مفہوم الٹ دیتے ہیں کہ غداری اصل میں مقتدرہ سے اپنا حق مانگنا ہے یا کم از کم مقتدرہ کی لغت میں غداری کا یہی مفہوم ہے۔ وہ چاہتے ہیں بھوک پیاس، ناانصافی اور ذہنی غلامی کو اپنی تقدیر سمجھ کر قبول کیا جائے اور جہاں کوئی ان امور پر سوال اٹھانے لگے اسے غدار قرار دیتے ہوئے حاشیے پر دھکیل دیا جائے۔ سب سے بڑے غدار تو وہ سوالات ہیں جو انسانوں کے ذہن میں جنم لیتے ہیں اور وہ آزادانہ سوچ اختیار کرتے ہوئے مقتدرہ کے لیے خطرے کا باعث بنتے ہیں۔

بھوک غدار ہے / بھوک میں پیٹ پر ہاتھ رکھنا گنہ
پیاس غدار ہے / پیاس میں آسمانوں کو تکنا گنہ
لفظ غدار ہیں / سچ میں لپٹے ہوئے
جستجو کے نئے راستے کھولتے لفظ غدار ہیں
سچ بھی غدار ہے / فہم و ادراک دیتا ہوا سچ کسی ملک کا کوئی جاسوس ہے
اپنی دھرتی کے غلے سے / اپنے لیے کوئی حصہ طلب کرنا
الحاد ہے / اور ویسے بھی / گندم تو شیطانیت ہی کی ایجاد ہے[۷]

عاطف کی نظم کا چوتھا پہلو فلسفیانہ و فکری مزاحمت سے عبارت ہے اضافیت، لا، ضرورت، واہمہ اور غلط فہمی اسی قبیل کی نظمیں ہیں۔ نظم لامحبت اور وجود کے معاملات سے شروع ہو کر وجودیت اور کائنات کے بڑے بڑے سوالات کا احاطہ کرتی ہے۔ بظاہر محبوب کی باہوں میں عاشق کی خود فراموشی ہے مگر حقیقتاً کائنات میں انسان کی حیثیت اور موجودگی ایسے سولات میں ڈھل جاتی ہے۔ راشد نے بجا کہا تھا عشق سے کس نے مگر پایا ہے کچھ اپنے سوا،

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-37

ماخذ تحقیقی مجلہ

یہی کافی ہے کہ باطن کی صدا گونج اٹھے[۸]، عاطف کی نظم فرد کے باطن اور کائنات میں اس کی موجودگی دونوں کا احاطہ کرتی ہے۔

اضافیت کا موضوع بظاہر وقت ہے مگر حقیقت میں یہ ہر شے ،تصوراور مظہر کو جدید سائنسی (کوانٹم مکینکس) کے نقطہ نظر سے دیکھنے کی ایک سعی ہے۔ وقت کیا ہے؟ یہ سوال جس قدر سادہ ہے اسی قدر مبہم اور ناقابل وضاحت ہے۔ سادہ لفظوں میں تو دو واقعات کا درمیانی وقفہ وقت ہے مگر بیسویں صدی میں ہونے والی سائنسی پیش رفت نے اسے اتنا سادہ نہیں رہنے دیا۔ وقت کی ماہیت کیا ہے اس ضمن میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہمارے پاس کوئی ایسا پیمانہ نہیں جس سے وقت کو ماپا جائے نہ ہی زمین اور خلا یا دیگر اجرام فلکی پر اس کی رفتار کو یکساں محسوس کیا جا سکتا ہے، نیز بگ بینگ سے قبل وقت تھا یا نہیں تھا؟ ان سوالات کے حتمی جوابات ممکن نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے یہ حقیقت کی چوتھی جہت ہے یا اضافیت ہے۔ اضافیت کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ یہ کوئی واہمہ یا صوفیانہ واردات ہے بلکہ وقت ایک جہت ہے جسے فریم آف ریفرنس سے ہٹ کر نہیں سمجھا جا سکتا، زمین کا وقت اور ہے اور مریخ کا اور سو یہ اپنی اصل میں ایک اضافیت ہے۔ عاطف کی نظم کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو:

یہ وقت کیا ہے؟ / اضافیت ہے
زماں مکاں کی ہر ایک تفہیم بخیہ بخیہ ادھڑ رہی ہے
کہ چار سمتوں کے اس تعاون کے بیچ بھی تو ہزار سمتوں کا جال سا ہے
ہر اک یقیں کو کسی حوالے، کسی تصور، کسی گماں / سے ہی نسبتیں ہیں
ہر ایک حرکت ہر اک سکونت / تضاد ہو کر بھی منسلک ہیں
سکون کیا ہے؟ / خود اپنے معنی میں دائرہ ہے
سکوت کیا ہے؟ / اضافیت ہے
سو اس کی پیمائشوں کو پھر شور کی ضرورت
(یہاں پہ پیمائشیں حوالہ، یہاں ضرورت بھی اک حوالہ)
حقیقتوں کے سمندروں کا ہر ایک قطرہ ہزار امکاں لیے ہوئے ہے
ہر ایک امکاں اضافیت ہے / شعور انساں اضافیت ہے / وجود دجداں اضافیت ہے
یہ وقت کیا ہے؟ / اضافیت ہے[۹]

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-37

ماخذ تحقیقی مجلہ

عاطف کی ان نظموں کی فلسفیانہ جہت اپنی جگہ اہم یہ حقیقت کے اس تصور کی عکاس ہیں جسے مابعد جدید یت کا نام دیا جاتا ہے جس میں حقیقت ٹھوس یا یک رخی ہونے کے بجائے کثیر الجہت ہے، جس میں ایک سے زیادہ نقطہ ہائے نظر ممکن ہیں۔ انتظار حسین نے مہاتما بدھ کے حوالے سے لکھا ہے:

> مہاتما بدھ نے پیڑ تلے بیٹھے بیٹھے جھڑتے پتوں سے مٹھی بھری اور آنند کو دیکھا۔ اے آنند کیا سارے پتے میری مٹھی میں آ گئے ہیں؟
>
> آنند جھجکا۔ پھر بولا: تتھا گت، یہ رت پت جھر کی ہے۔ پتے جنگل میں اتنے جھڑتے ہیں کہ ان کی گنتی نہیں ہو سکتی۔
>
> مہاتما بدھ بولے: اے آنند، تو نے سچ کہا۔ پت جھڑ کے ان گنت پتوں میں سے بس میں مٹھی بھر سمیٹ سکا ہوں۔ یہی گت سچائیوں کی ہے۔ جتنی سچائیاں میری گرفت میں آئیں مَیں نے ان کا پرچار کیا۔ پر سچائیاں اَن گنت ہیں، پت جھڑ کے پتوں کے سمان۔ (۱۰)

مہاتما بدھ (پانچویں صدی ق م) داد کے مستحق ہیں جنھوں نے صدیوں قبل خوبصورت تمثیل سے وضاحت کی کہ سچائی کسی ٹھوس چیز کا نام نہیں جیسے فی الوقت میرے سامنے لیپ ٹاپ جس کے کی پیڈ پر دم تحریر میری انگلیاں متحرک ہیں اور حروف کو الفاظ اور الفاظ کو جملوں میں بدلتی جا رہی ہیں یا کمرے میں موجود دیگر اشیاء، بلکہ یہ پت جھڑ میں گرتے ہوئے پتوں کی طرح ہے جن میں سے ہم اپنے علم اور استعداد سے مٹھی بھر ہی کو سمیٹ سکنے کی قدرت رکھتے ہیں اور باقی منتشر ہو جاتے ہیں۔ مکمل سچائی کو گرفت میں لینے کا دعوا یا سچائی پر کسی فرد واحد کے اجارے کو سوال ہی کجا ایک وقت میں اسے مکمل طور پر احاطہ شعور میں لانا بھی ممکن نہیں۔ کم از کم فلسفے یا سائنس میں تو سچائی کا تصور یہی ہے البتہ مذہب کی ساری طاقت اسے یک رخا، سادہ اور ممکن الحصول ثابت کرنے میں ہے۔ عاطف سچائی کے موخر الذکر کے قائل نظر نہیں آتے، حقیقتاً سچائی کو کثیر جہات کو قبول کر لینا ہی رواداری اور برداشت کو ممکن بناتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں عاطف موجودہ شدت پسندی کے متوازی سچائی کے مابعد جدید اور کثیر الجہت تصور کو رکھتے ہیں جس میں حقیقت حتمیت کے بجائے سوال در سوال منقسم ہے۔ اضافیت، لا اور غدار ایسی نظموں پڑھیے اور میری طرح سوالات کے جنگل میں گم ہو جایئے، شاعری سے اس سے سوا مطالبہ ہی کیا کیا جا سکتا ہے؟

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-37

ماخذ تحقیقی مجلہ

حوالہ جات

۱۔ نیر، ناصر عباس، ڈاکٹر، نظم کیسے پڑھیں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸، ص:۱۰۵

۲۔ مجید امجد، کلیات مجید امجد (مرتبہ: خواجہ محمد زکریا)، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۴، ص۱۵۷

۳۔ عاطف توقیر، رد، لاہور: عکس پبلیکشنز، ۲۰۲۲، ص:۱۴۱

۴۔ ایضاً، ص:۷۹

۵۔ ایضاً، ص:۸۰

۶۔ نیر، ناصر عباس، ڈاکٹر، نظم کیسے پڑھیں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸، ص:۱۰۹

۷۔ عاطف توقیر، رد، لاہور: عکس پبلیکشنز، ۲۰۲۲، ص:۲۳

۸۔ ن م راشد، کلیات راشد، لاہور: ماورا پبلشرز، س ن، ص:۴۴۸

۹۔ عاطف توقیر، رد، لاہور: عکس پبلیکشنز، ۲۰۲۲، ص:۶۷

۱۰۔ انتظار حسین، جنم کہانیاں، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۱۱، ص:۹